هو قرآن مجید
(البروج)

مقدمۃ

علم التفسیر

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمن اعظمی دامت برکاتہم

فہرست مقدمہ علم التفسیر

شمار	مضامین	صفحہ
۱	علم التفسیر (مبادی عشرہ)	۶
۲	تفسیر و تاویل	۷
۳	طبقات المفسرین	۸
۴	القرآن کی لفظی تحقیق	۹
۵	نزول قرآن	۱۱
۶	نزول قرآن علی سبعۃ احرف	۱۳
۷	مصاحف عثمانی میں سبعۃ احرف	۱۴
۸	جمع و کتابت قرآن	۱۵
۹	جمع قرآن فی عھد الصدیق	۱۶
۱۰	جمع قرآن فی عھد عثمان	۱۷
۱۱	ترتیب سور و آیات	۱۷
۱۲	تعداد آیات و کلمات و حروف	۱۸
۱۳	اعجام (نقطے)	۱۸
۱۴	شکل (اعراب) و تجزیہ	۱۹
۱۵	احزاب یا منزلیں ۔ رموز اوقاف	۲۰
۱۶	حالات قاضی بیضاوی (صاحب تفسیر بیضاوی)	۲۱
۱۷	تفسیر بیضاوی اور اس کی شروح و حواشی	۲۲
۱۸	جلال الدین محلی	۲۵
۱۹	جلال الدین سیوطی	۲۷
۲۰	جلالین شریف اور اس کی شروح و حواشی	۲۹

بسم الله الرحمن الرحیم

علم التفسیر

لغوی مفہوم : تفسیر کا لفظ فسر سے بنا ہے، فسر کا معنی کشف اور ایضاح ہے، ایک قول مگر ضعیف یہ بھی ہے کہ فسر سفر کا مقلوب ہے، اور سفر کے معنی واضح اور روشن ہونے کے ہیں، چنانچہ سفر سے بہت سے تجربے ہوتے ہیں، حالات معلوم ہوتے ہیں، انسانوں کے اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔

اصطلاحی تعریف : علم تفسیر کی مختلف الفاظ کے ساتھ تعریف کی گئی ہے، ایک تعریف یہ ہے کہ علم تفسیر: وہ علم ہے جس میں انسانی طاقت کے مطابق یہ بحث کی جائے کہ قرآن کریم کے الفاظ سے اللہ تعالی کی کیا مراد ہے۔

اس تعریف کی رو سے علم قراءت علم تفسیر سے خارج ہے اسلئے کہ علم قراءت میں الفاظ کے ضبط اور کیفیتِ ادا کے متعلق بحث ہوتی ہے، علم رسم عثمانی بھی خارج ہے، اسلئے کہ اس میں الفاظ کی کتابت کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے۔

ہاں متشابہات اور حروف مقطعات کا معنی معلوم نہ ہونا مضر نہیں کیونکہ انکا معنی معلوم کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ (مناہل العرفان ۱/ ۴۷۱)

ایک دوسری تعریف : علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کے نطق کی کیفیت، اس کے مدلولات، افرادی اور ترکیبی احکام اور معانی سے بحث کی جائے جو بحالت ترکیب ان پر محمول ہوتے ہیں اور ان کے تتمات بھی تفسیر میں داخل ہیں۔ (روح المعانی ۱/ ۴)

اس تعریف میں نمبر ایک سے علم قراءت، نمبر دو (۲) سے علم لغت اور نمبر تین (۳) سے

صرف ، نمبر چار(۴) سے نحو ، نمبر پانچ(۵) سے علوم بلاغت ، اور نمبر چھ(۶) سے ناسخ و منسوخ ، اسباب نزول ، ظاہر و نص ، قصص و احکام کی طرف اشارہ ہے ، یہ سب علوم تفسیر میں داخل ہیں ، اور ایک مفسر کو ان سب فنون میں کامل دستگاہ درکار ہے .

موضوع : علم تفسیر کا موضوع قرآن کریم ہے اپنے مطالب اور مقاصد کے لحاظ سے .

غرض وغایت : احکام شرعیہ عملیہ کو جاننا تا کہ اس پر عمل کر کے سعادت دارین حاصل کریں

کسی فن کے شروع کرنے سے قبل اگر دس باتیں معلوم کرلی جائیں جن کو مبادی عشرہ کہتے ہیں تو بہت مفید ہے ، ان کو اشعار میں اس طرح جمع کیا گیا ہے : ؎

ان مبادی کل علم عشرہ الحدّ ، الموضوع ثم ثمرہ
و فضلہ و نسبتہ و الواضع والاسم ، الاستمداد ، حکم الشارع
مسائل و البعض بالبعض اکتفی و من دری الجمیعَ حاز الشرفا

(کتاب الفرات الفائض الی تعلم علم الفرائض ص ۲۱)

حد ، موضوع اور غایت کا بیان تو ہوچکا ، بقیہ یہ ہیں :

۴ ۔ **فضیلت :** علم تفسیر علوم دینیہ کی اصل و بنیاد ہے ، اللہ تعالی فرماتے ہیں :
و مَن یُؤتَ الحکمۃَ فقد اُوتِیَ خیرًا کثیرًا . اور حکمت کی تفسیر سلف سے معرفتِ قرآن مروی ہے ، اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قوموں کی فلاح و بہبود اور انسانیت کی سعادت و نیک بختی قرآن کریم سے متعلق ہے ، اور قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا بغیر قرآن کو سمجھے اور اس کے احکام کو جانے ہوئے ممکن نہیں اور جو فن قرآن کی تشریح کرتا ہے اور اس کے معانی و مراد کو بتاتا ہے اسی کا نام ہم علم تفسیر رکھتے ہیں .
اسی تقریر سے اس فن کی اہمیت اور ضرورت بھی معلوم ہوگئی .

۵ ۔ **نسبت :** علوم شریعت میں سے ایک ہے ، علوم شریعت تفسیر ، حدیث ، فقہ ہیں .

۶ ۔ **واضع :** سب سے پہلے مفسر خود آنحضرت ﷺ ہیں پھر آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین .

۷۔ **اسم:** علم تفسیر ہے۔

۸۔ **استمداد:** علم اصول الدین اور علم فقہ سے اس میں مدد لی جاتی ہے، اصل ماخذ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، آثارِ صحابہ اور کلام عرب ہے۔

۹۔ **حکم الشارع:** تنہا شخص پر فرضِ عین ہے اور متعدد پر فرض کفایہ

۱۰۔ **مسائل:** وہ اقوال ہیں جو تفسیر میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(مستفید امن الجمل ص۲ وغیرہ)

تفسیر اور تاویل

تفسیر کا لغوی معنی معلوم ہو چکا، تاویل اَول سے بنا ہے جس کا معنی رجوع ہے، یعنی آیت کو اس معنی کی طرف پھیرنا جس کی وہ محتمل ہے۔

دونوں میں فرق: مفسرین میں کچھ لوگ تو دونوں کو مرادف مانتے ہیں، فرق کے قائل نہیں، متقدمین میں یہی بات مشہور تھی، لغت میں بھی تاویل کا مشہور معنی تفسیر کے مرادف ہے۔ لیکن متاخرین فرق کے قائل ہیں، پھر فرق بیان کرنے میں مختلف تعبیر اختیار کرتے ہیں:

۱۔ تفسیر عام ہے اور تاویل خاص، تفسیر کا زیادہ تر استعمال مفردات میں ہوتا ہے اور تاویل کا جملوں میں، نیز تاویل کا زیادہ تر استعمال کتب سماویہ پر ہوتا ہے اور تفسیر کا کتب سماویہ و غیر سماویہ دونوں پر۔ (اصفہانی)

۲۔ تفسیر وہاں بولا جاتا ہے جہاں لفظ ایک ہی معنی کا محتمل ہو اور تاویل وہاں جہاں کئی معنوں کا احتمال ہو اور ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے۔

۳۔ تفسیر یقین کے ساتھ یہ کہنا کہ حق تعالی کی یہی مراد ہے اور تاویل ترجیح اور ظن غالب کے درجہ میں کسی معنی کو متعین کرنا۔ (ماتریدی)

۴۔ تفسیر کا انحصار نقل و سماع پر ہے اور تاویل کا تعلق استنباط سے ہے۔

۵۔ تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا درایت سے۔

(مذکورہ بالا اقوال میں تطبیق ممکن ہے، تعبیر کا اختلاف ہے)

۶۔ تاویل ان معانی قدسیہ اور معانی ربانیہ کا نام ہے جو عارفین کے قلوب پر وارد ہوتے ہیں، یہی معنی متاخرین کے نزدیک متعارف ہے۔ (روح المعانی ۱/۴ و ۵ ومناہل العرفان ۱/۴۷۳)

طبقات المفسرین

طبقۂ اولی: خلفاء راشدین، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسی اشعری، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

طبقۂ ثانیہ: تابعین، مجاہد، عطا بن ابی رباح، عکرمہ، سعید بن جبیر، طاؤس، زید بن اسلم، حسن بصری، عطاء بن ابی مسلم خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابو العالیہ، ضحاک بن مزاحم، عطیہ عوفی،، قتادہ بن دعامہ، مُرّہ ہمدانی، ابو مالک، مسروق بن الاجدع رحمہم اللہ تعالی۔

طبقۂ ثالثہ: تبع تابعین، سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ، عبد الرزاق، اسحاق ابن راہویہ، عثمان بن ابی شیبہ، اسماعیل سدی، ابن قتیبہ وغیرہم۔

طبقۂ رابعہ: ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان، ابن مردویہ، ابوالشیخ، ابن المنذر، ابو حنیفہ دینوری وغیرہم۔

طبقۂ خامسہ: ابو عبد الرحمٰن نیشاپوری، ابو اسحاق ثعلبی نیشاپوری، ابو القاسم قُشَیری، ابو الحسن واحدی نیشاپوری وغیرہم۔

طبقۂ سادسہ: امام راغب اصبہانی، علامہ جار اللہ زمخشری، علامہ بغوی، ابو حامد محمد بن محمد غزالی، ابو جعفر محمد بن حسین طوسی وغیرہم،

طبقۂ سابعہ: امام فخر الدین رازی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی، قاضی ناصر الدین

بیضاوی ، موفّق الدین احمد بن یوسف مَوصلی .

طبقۂ ثامنہ : ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی ، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن کثیر قُرشی ، قطب الدین بن محمود بن مسعود شیرازی ، شرف الدین حسن بن محمد طیبی .

طبقۂ تاسعہ : جلال الدین محمد بن احمد محلّی ، جلال الدین سیوطی ، شیخ علی بن احمد مہائمی ہندی ، سعد الدین تفتازانی ، عبد الرحمٰن بُلقینی

طبقۂ عاشرہ : قاضی ثناء اللہ پانی پتی ، علامہ آلوسی بغدادی ، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی .

پھر انکے بعد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ، مولانا ادریس کاندھلویؒ ، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ وغیرہم بہت سے مفسرین .

اس فن کا موضوع چونکہ قرآن کریم ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تعریف اور اس کے نزول نیز اس کے جمع و تدوین سے متعلق بھی کچھ لکھا جائے .

القرآن کی لفظی تحقیق

القرآن لغۃً مصدر ہے القراءۃ کے معنی میں، انّ علینا جمعَه و قرآنَه فاذا قرأناه فاتبع قُرآنَه میں یہی مصدری معنی مراد ہے ، پھر اس معنی سے منقول کرلیا گیا اور قرآن پاک کلام منزل من اللہ علی النبی ﷺ کا علَم بنادیا گیا ، یہی قول لحیانی کا ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں .

القرآن کو فرقان بھی کہتے ہیں ، فرقان بھی مصدر تھا پھر منقول کیا گیا ، انہی دونوں ناموں کی طرح الکتاب ، الذکر ، التنزیل بھی مشہور ہیں .

القرآن کی اصطلاحی تعریف : القرآن کی اصطلاحی تعریف مختلف اہل فن نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے مختلف انداز میں کی ہے اور وہ سب تعریفیں صحیح ہیں :

۱۔ متکلمین کی تعریف : قرآن اللہ تعالی کی صفت قدیمہ ہے جس کا تعلق کلمات حکمیہ سے ہے ، اول فاتحہ سے آخر ناس تک ، اور یہ کلمات ازلی ہیں لفظی ، ذہنی اور روحی حروف

سے خالی ہیں، مُرتّب ہیں مگر آگے پیچھے یعنی ایک دوسرے کے بعد نہیں واقع ہوتے ہیں جیسے کوئی تصویر آئینہ میں دفعۃً آجاتی ہے اسی طرح یہ کلمات بھی۔

۲۔ متکلمین کی دوسری تعریف: قرآن وہ کلمات ازلیہ ہیں جو مرتب ہیں لیکن ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہیں اور حروف لفظیہ، ذھنیہ اور روحیہ سے خالی ہیں۔

۳۔ اصولیین، فقہاء اور علماء عربیت کی تعریف: قرآن وہ کلام معجز ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ... الخ

متکلمین بھی کبھی یہ تعریف ذکر کرتے ہیں اسلئے کہ انکا نقطۂ نظر بھی کبھی اسکا متقاضی ہوتا ہے۔

نقطۂ نظر کا اختلاف: متکلمین کا مقصد اللہ تعالی کی صفات نفسیہ سے بحث کرنا ہوتا ہے اور صفت کا تعلق کلام نفسی سے ہے نہ کہ کلام لفظی سے۔

اور کلام نفسی بشری کی دو قسمیں ہیں ۱۔ کلام نفسی بالمعنی المصدری: یعنی دل میں سوچنا

۲۔ کلام نفسی حاصل بالمصدر یعنی سوچا ہوا کلام، اسی طرح کلام الہی نفسی بھی دو معنی میں بولا جاتا ہے ایک بالمعنی المصدری کی نظیر پر دوسرا حاصل بالمصدر کی نظیر پر، متکلمین کی پہلی تعریف معنی مصدری کے لحاظ سے تھی اور دوسری حاصل بالمصدر کے اعتبار سے۔

اسی طرح متکلمین کو یہ مسئلہ بھی ثابت کرنا ہوتا ہے کہ قرآن اللہ تعالی کا کلام غیر مخلوق ہے اس کا تعلق بھی کلام نفسی سے ہے اسلئے انہوں نے مذکورہ بالا تعریفیں اختیار کیں۔

اصولیین اور فقہاء کا مقصد احکام پر استدلال کرنا ہوتا ہے اور استدلال الفاظ سے ہوتا ہے، علماء عربیت کو بھی قرآن کے اعجاز سے بحث کرنی ہوتی ہے اور معلوم ہے کہ اعجاز کا تعلق بھی الفاظ سے ہے اسلئے ان تینوں فرقوں کو اپنے مقاصد کے پیشِ نظر قرآن کی ایسی تعریف کرنی پڑی جس میں الفاظ آگئے۔

متکلمین بھی کبھی یہ تعریف ذکر کرتے ہیں اسلئے کہ انکو بھی کبھی یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی تمام کتب منزلہ پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں قرآن بھی ہے، اسی طرح اعجاز قرآن سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی ثابت کرنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں

کا تعلق الفاظ سے ہے اسلئے ان کو بھی اصولیین والی تعریف ذکر کرنی پڑتی ہے۔

پھر اصولیین وغیرہ کی تعریف میں کبھی اختصار ہوتا ہے کبھی تطویل کبھی توسیط علی اختلاف الاذواق۔

۴۔ ایک اور اطلاق: قرآن کا ایک چوتھا اطلاق بھی ہے یعنی وہ نقوش جو مصحف کے دونوں کناروں کے بیچ میں لکھے ہوئے ہیں۔

یہ اطلاق بھی صحیح ہے، اسلئے کہ نقوشِ مرقومہ، صفتِ قدیمہ اور کلماتِ غیبیہ نیز لفظ منزل پر دال ہیں تو جس طرح لفظ منزل کو قرآن کہنا صحیح ہے اسلئے کہ وہ کلمات حکمیہ ازلیہ کے مظاہر اور صور ہیں اسی طرح نقوش کو بھی اسلئے کہ وہ بھی صفتِ قدیمہ اور لفظ منزل پر دلالت کرتے ہیں۔

الغرض یہ تمام اطلاقات صحیح ہیں اور قرآن ان چاروں صورتوں پر صادق آتا ہے، اس کی ایک مثال لیجئے: ایک شاعر ہے جس میں شاعری کی قوت ہر وقت موجود ہے جب چاہے کسی کی مدح میں شعر کہدے، اسکو کسی کی تعریف میں قصیدہ کہنا ہوا تو اس نے موزون الفاظ اپنے ذہن میں حاضر کئے اگر ان کو زبان سے کہدے تو وہ بعینہ موزون قصیدہ ہوگا، پھر اس نے قصیدہ کو زبان سے پڑھا اور پھر کاغذ پر لکھ دیا تو اب ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ اسکی قوت شاعری جو اس قصیدہ کے کہنے کی طرف متوجہ ہوئی اسی کو قصیدہ کہدیں، اسی طرح ذہن میں سوچے ہوئے کو بھی، اور پڑھے ہوئے نیز لکھے ہوئے کو تو قصیدہ کہتے ہی ہیں۔

اس مثال سے چاروں اطلاقات کی صحت واضح ہوجاتی ہے، علماء تفسیر کا مقصد بھی الفاظ قرآن سے متعلق ہے اسلئے کہ ان کو بھی یہی بتانا ہے کہ الفاظ قرآن کی مراد کیا ہے؟ اسلئے یہ بھی لفظ منزل سے بحث کرتے ہیں۔ (مناہل العرفان)

نزول قرآن

یہاں نزول سے مراد کسی مکان میں حلول نہیں ہے جیسا کہ نزل الامیر المدینۃ میں مراد لیتے ہیں، اسی طرح اوپر سے نیچے آنے کا معنی بھی مراد نہیں ہے جیسا کہ نزل فلان من

الجبل میں مراد لیتے یں ، بلکہ مجازی معنی مراد ہے وہ ہے اعلام ، اور یہ معنی چاروں اطلاقات کے لحاظ سے صحیح ہے .

تنزلاتِ قرآن : قرآن پاک کا تین نزول ہوا ، ایک لوح محفوظ کی طرف : بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ ، دوسرا لوح محفوظ سے سماء دنیا میں بیت العزۃ کی طرف ، یہی تنزل رمضان میں شب قدر میں ہوا ، شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن اور انا انزَنا ہ فی لیلة القدر میں اسی کا بیان ہے ، یہ بات حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے ، اور اس کا مقصد قرآن کی تفخیم ہے : و اعظمُ ما یکونُ الشوقُ یوماً اذا دنتِ الخیامُ مِنَ الخیام

تیسرا سماء دنیا سے قلب رسول اللہ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا حسب موقعہ ۲۳ سال یا کم وبیش مدت میں علی اختلاف الروایات ۲۰ ـ ۲۳ ـ ۲۵ سال میں .

ان تینوں تنزلات میں اعلام کا معنی موجود ہے ، لوح محفوظ اور بیت العزۃ میں نقوش کے چھپنے سے بھی اعلام ہوا ، قلب رسول پر الفاظ کے نزول سے بھی اعلام ہوا .

کیفیتِ نزول : جبرئیلؑ نے اللہ تعالی سے سنکر قرآن کو لیا اور آنحضرت ﷺ تک پہونچایا ، اور جبرئیلؑ نے الفاظ حقیقیہ معجزہ کو لیا ، اول فاتحہ سے آخر ناس تک یعنی قرآن کے الفاظ بھی وحی ہیں ، جبرئیلؑ یا محمد ﷺ کے اپنے الفاظ نہیں ہیں . ہاں احادیث میں الفاظ آنحضور ﷺ کے ہیں ، معانی جبرئیلؑ کے لائے ہوئے ہیں (بجز ان کے جو حضرت ﷺ کی اجتہادی حدیثیں ہیں) .

رہیں احادیث قدسیہ تو مشہور قول میں ان کے الفاظ بھی اللہ تعالی کی طرف سے ہیں لیکن قرآنی خصائص ان میں نہیں : مثلاً معجز ہونا ، تلاوت پر ثواب مرتب ہونا ، لفظ کی حفاظت کا واجب ہونا وغیر ذلک .

اول و آخر القرآن نزولا : راجح یہ ہے کہ سب سے اول سورۂ اقرا کی پانچ آیات نازل ہوئیں پھر مدثر اور سب سے آخری آیت : و اتقوا یوما تُرجعون الخ نازل ہوئی .

(یہ ساری بحثیں مناہل العرفان ص ۷ تا ۹۰ سے ماخوذ ہیں)

نزول قرآن علی سبعة احرف

اکیس (۲۱) صحابۂ کرامؓ سے آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ :

اُنزِلَ القرآنُ علی سبعة احرف . بخاری اور مسلم میں بھی یہ حدیث موجود ہے .

اس حدیث کی صحت میں تو کوئی شبہہ نہیں ، ابو عبید قاسم بن سلام نے تو اس حدیث کے تواتر کا دعوی کیا ہے ، لیکن اس میں اختلاف ہوسکتا ہے ، اسلئے کہ یہ حدیث اگرچہ صحابہ کے دور میں تواتر کو پہونچی ہوئی تھی چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک مرتبہ منبر سے یہ اعلان کیا کہ یہ حدیث جس کو معلوم ہے اور آنحضور ﷺ سے سنی ہے کھڑا ہوجائے تو اتنے لوگ کھڑے ہوگئے کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکا . (رواہ ابو یعلی فی مسندہ الکبیر)

لیکن بعد کے دور میں اس کا تواتر معلوم نہیں .

حدیث کا معنی : اس حدیث کی تشریح میں بہت اختلاف ہے ، تقریبا چالیس (۴۰) اقوال ہیں ، ان میں ابو الفضل رازی ، ابن قتیبہ ، محقق ابن الجزری اور قاضی ابو الطیب کے اقوال قریب قریب ہیں اور یہی صحیح ہیں ، یہ سب اس پر متفق ہیں کہ احرف سے مراد اوجہ ہیں ، پھر اوجہ کے تتبع اور تعیین میں اختلاف ہوا ہے ، اس میں رازی کی بات سب سے زیادہ مناسب اور معقول معلوم ہوتی ہے .

سبعۃ اوجہ کی تعیین : رازی کے بقول سات وجہیں یہ ہیں :

۱ ۔ اسماء کا اختلاف واحد ، تثنیہ ، جمع ، اور تذکیر و تانیث میں ، جیسے :

و الذین ھم لاَماناتِھم و لاَمانَتِھم .

۲ ۔ افعال کی تصریف کا اختلاف ، ماضی ، مضارع ، امر میں ، جیسے :

ربَّنا باعِدْ و ربُّنا بعَّدَ .

۳ ۔ اعراب کا اختلاف ، جیسے : و ما خلَقَ الذَّکرَ والانثی اور و الذِکرِ والانثی ،

جنات تجری من تحتِها الانهار و تحتَها الانهار .

۵۔ تقدیم و تاخیر کا اختلاف ، جیسے : و جاءت سکرة الموت بالحق و سکرة الحق بالموت ، و یقتلون و یقتلون وعداً علیه حقا .

۶۔ ابدال کا اختلاف ، جیسے : کیف نُنشِزُها و نُنشِرُها .

۷۔ اختلاف لہجات ، جیسے فتح و امالہ ، ترقیق و تفخیم ، اظہار و ادغام وغیرہ .

رازی نے ساتویں وجہ اختلاف لہجات کی ذکر کے اور دوسروں کی بیان کردہ سات وجہوں کو چھ میں سمو کر کے ایسی جامعیت پیدا کردی جو بقیہ تینوں ائمہ کے کلام میں موجود نہیں ، اسلئے ہم رازی کی تعیین کو ترجیح دیتے ہیں .

(تفصیل کیلئے دیکھئے مناہل العرفان ۱/۱۵۰ و بعدھا)

اس ترجیح سے معلوم ہوگیا کہ سبعۃ احرف سے سات لغات نہیں مراد ہیں جیسا کہ بہت سے ائمۂ فقہ و حدیث اس کے قائل ہوئے ہیں ، اور روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ توسع امت پر تسہیل کیلئے تھا ، اور اس اختلاف سے حرام و حلال کا اختلاف پیدا نہیں ہوتا ، بلکہ بعض جگہ مختلف وجوہ سے مختلف اور متعدد مسائل نکلتے ہیں جیسے حتی یطْهُرن اور حتی یطّهّرن میں ، اور بعض جگہ حکم شرعی کی تعیین ہوتی ہے جیسے و لَهٗ اخٌ اَو اُختٌ میں حضرت سعدؓ کی قراءت میں مِن اُم کے اضافہ سے یہ معلوم ہوا کہ اخیافی بھائی بہن یہاں مراد ہیں وغیر ذلک .

مصاحف عثمانیہ میں سبعۃ احرف کا بقاء : یہ ساتوں وجہیں کیا مصاحف عثمانیہ میں موجود ہیں ؟

اس کا جواب جمہور کے مسلک پر یہ ہے کہ عثمانی مصاحف کے رسم جتنی وجوہ کے محتمل ہیں اتنی وجوہ ان میں موجود ہیں ، اور یہ مصاحف عرضۂ اخیرہ کے جامع ہیں .

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ مجموعی اعتبار سے ساتوں وجوہ کو جامع ہیں کوئی وجہ بھی ایسی نہیں جو ان مصاحف میں نہ ہو ، ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر مصحف انہی وجوہ پر

مشتمل ہے جن کا اس کے رسم میں امکان ہو ، مثلاً مکی مصحف میں سورۂ توبہ میں :
واعدّ لهم جنات تجری من تحتِها الانهار ہے ، جب کہ باقی مصاحف میں بغیر
مِن کے ہے ، دونوں قراءتیں متواتر ہیں .

مجموعۂ مصاحف میں زیادتی بھی آگئی ، البتہ یاخُذُ کل سفینة غصبا میں ابن عباسؓ نے سفینۃ صالحۃ پڑھا ہے ، لیکن صالحۃ کی زیادتی کسی مصحف میں نہیں ہے اسلئے رسم کے موافق نہیں ، یہ زیادتی عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہوگئی ہوگی اسی لئے کسی مصحف میں نہیں ، حاصل یہ کہ کمی زیادتی کی صورت بھی مصاحف عثمانیہ میں ہے لیکن رسم عثمانی جسکی محتمل ہے .

اسی طرح اختلاف الاسماء ، اختلاف تصریف الافعال ، اختلاف وجوہ الاعراب ، اختلاف بالتقدیم و التاخیر ، اختلاف بالابدال ، اختلاف لہجہ سبھی وجوہ مصاحف میں موجود ہیں ، ہاں یہ مصاحف جس صورت کے محتمل نہیں وہ منسوخ ہوگئی ہوگی ، اس کی مثال :
و جاءت سکرة الحق بالموت بھی ہے جو گزری .

جمع وکتابتِ قرآن : جمع کی دوصورتیں ہیں: ۱۔ جمع فی الصدور ۲۔ جمع فی الکتابۃ و السطور ، اور قرآن دونوں طرح جمع ہوا .

۱۔ قرآن کریم نبی امی ﷺ پر نازل ہوا ، آپ کو اس کے یاد کرلینے کا اتنا اہتمام تھا کہ نزولِ قرآن کے وقت آپ زبان سے پڑھنا چاہتے تھے اس پر قرآن اترا :
ان علینا جمعَه و قرآنَه ... الخ (سورۃ القیامۃ ۱۷)
و لا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیه (طه ۱۱۴)

اس طرح آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کرکے اللہ تعالی نے سینہ مبارک میں محفوظ کردیا ، آپ دن رات اس کو پڑھتے تھے ، ہر سال جبرئیل کے ساتھ اسکا معارضہ ہوتا تھا ، آخری سال دومرتبہ دور ہوا ، صحابۂ کرام بھی آپ ﷺ سے قرآن سنکر اپنے سینے میں محفوظ کرتے تھے اور راتوں کو اس سے زندہ رکھتے تھے ، اور آنحضور ﷺ حفظ قرآن کی بنیاد پر

صحابہ کو مقدم کرتے تھے، ایک قبر میں کئی کو دفن کرنا ہوتا تو پوچھتے کہ ایھم کان اکثر قرآنا، اور فرمایا تھا یؤم القوم اقرءھم، اسلئے صحابہ اس میں جیسا تنافس کرتے رہے ہونگے ظاہر ہے.

۲۔ سینے میں محفوظ کرنے کے علاوہ مختلف چیزوں پر لکھنے لکھانے کا بھی غیر معمولی اہتمام کیا گیا، آنحضرت ﷺ نے باقاعدہ کتابِ وحی مقرر فرمائے تھے جن میں خلفاء اربعہ کے علاوہ حضرات معاویہ، ابان بن سعید، خالد بن الولید، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ثابت بن قیس وغیرہم شامل ہیں، اور ان کاتبین کو بتاتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھنی ہے، چنانچہ صحابہ کھجور کے درختوں کی چھالوں، پتلے پتھروں، کاغذ اور چمڑے کے ٹکڑوں نیز شانے اور پسلی کی ہڈیوں پر لکھ لیتے تھے، اور یہ لکھا ہوا حضرت ﷺ کے گھر میں محفوظ بھی رہتا تھا، اس طرح عہد نبوی گزر گیا، اس زمانہ میں حضرت ﷺ کے حکم سے آیات ترتیب کے ساتھ لکھی ہوئی تھیں، لیکن سورتوں کی ترتیب کے ساتھ پورا قرآن ایک جگہ جمع رہا ہو یا کئی نسخے تیار رہے ہوں ایسا نہیں تھا اسلئے کہ لوگوں کو یاد تھا، کچھ صحابہ تو ایسے تھے جن کو پورا قرآن یاد تھا اور بہت سے ایسے تھے جن کو کچھ حصہ اور دوسرے بعض کو دوسرا حصہ یاد تھا، اس طرح پورا قرآن مجموعی اعتبار سے بہت سے لوگوں کو یاد تھا اسلئے ضیاع کا خطرہ نہیں تھا، نیز ہر وقت یہ احتمال رہتا تھا کہ شاید اور قرآن آجائے، اسلئے حضرت ﷺ نے ایک جگہ قرآن جمع نہیں کرایا. (ایک جمع فی الکتابۃ تو یہ ہوا)

جمع قرآن فی عہد الصدیق: دوسرا جمعِ کتابتِ قرآن، صدیق اکبرؓ کے عہد میں ہوا، جبکہ جنگ یمامہ ۱۲ھ میں بہت سے قراء صحابہ شہید ہوگئے اور حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ سے جمع قرآن کے لئے اصرار کیا، پہلے صدیق اکبر نے انکار کیا پھر شرح صدر کے بعد قبول کیا اور زید بن ثابت کے حوالہ یہ کام کیا، انھوں نے بڑے اہتمام سے اس کام کو انجام دیا وہی آیات لیتے تھے جو لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہوں، اور اس وقت لیتے تھے جبکہ دو آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ یہ آیت حضرت ﷺ کے سامنے لکھی گئی ہے، اسی لے سورۃ

توبہ کی آخری دو آیتیں حضرت زیدؓ نے نہیں لکھیں باوجودیکہ ان کو یاد تھیں جب تک کہ ابوخزیمہ انصاری کے پاس لکھی ہوئی نہ مل گئیں، اس مصحف میں آیات تو مرتب تھیں لیکن سورتوں کے مابین موجودہ ترتیب نہیں تھی بہر حال اس مجموعہ پر صحابہ کا اجماع ہوگیا۔

جمع قرآن فی عھد عثمان: پھر جب عہد فاروقی وعثمانی میں فتوحات کی کثرت ہوئی اور نئے نئے لوگ مسلمان ہوئے، عجم کے لوگ بھی داخلِ اسلام ہوئے، اور قرآن کی قراءت میں اختلاف کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ ہوا اسلئے کہ نئے لوگوں کو احرف سبعہ کا علم نہیں تھا تو حضرت حذیفہؓ کی اطلاع پر حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی میں جمع شدہ قرآن کے متعدد نسخے تیار کرائے، اور منسوخ قراءتوں کو نکالدیا اور لغت قریش پر لکھوایا، سورتوں کو بھی موجودہ ترتیب کے مطابق لکھوایا، ۵ یا ۶ یا ۸ نسخے تیار کرائے اور قرآن کے ماہرین کے ساتھ کوفہ، بصرہ، شام بھیجوادیا، ایک نسخہ مدینہ میں رہا اور ایک نسخہ خاص اپنے لئے رکھا، جو آٹھ نسخے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ، بحرین، اور یمن بھی ایک ایک نسخہ بھیجا۔

ان کے علاوہ قرآن کے نسخے جو لوگوں کے پاس تھے ان کو جلادینے کا حکم دیا تاکہ اختلاف کا احتمال باقی نہ رہے، چنانچہ صحابۂ کرامؓ نے ان کے اس حکم کی تعمیل کی جس کی وجہ سے یہ حکم اجماعی بن گیا۔

ترتیب سور و آیات: قرآن کی سورتوں میں آیات کی ترتیب توقیفی ہے، حضرت ﷺ کے حکم سے آیات کو لکھا جاتا تھا، یہ مسئلہ اتفاقی ہے، ہاں سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اجتہادی ہے صحابہ نے اپنی رائے سے ایسا کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بھی توقیفی ہے، آنحضور ﷺ کی تعلیم سے ایسا ہوا ہے، تیسرا قول جو شاید ان میں سب سے بہتر ہو یہ ہے کہ اکثر میں توقیفی ہے اور بعض میں اجتہادی ہے، جیسے سورۂ انفال اور براءت کے درمیان، جیسا کہ حضرت عثمانؓ کے جواب سے ظاہر ہے جس کو ترمذی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

بہر حال جو بھی قول صحیح ہو اتنا ضرور ہے کہ کتابتِ قرآن میں ترتیب موجودہ کا احترام ضروری ہے کیونکہ صحابہ نے اس پر اتفاق کیا ہے ، ہاں تلاوت میں ترتیب کا لحاظ رکھنا صرف مستحب ہے واجب نہیں .

تعداد آیات قرآن : قرآن کی آیات چھ ہزار (۶۰۰۰) دو سو (۲۰۰) سے کچھ زائد ہیں ، لیکن زائد میں اختلاف ہے ، مدنی اول مصحف میں ۱۷ ہیں یعنی ۶۲۱۷ و بہ قال نافع ؛ [۱] مدنی اخیر میں ۱۴ عند شیبہ و ۱۰ عند ابی جعفر ؛ اور مکی کے شمار میں ۲۰ ؛ کوفی میں ۳۶ ؛ بصری میں ۵ ؛ شامی میں ۲۶ ، اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کی تعلیم کیلئے آیت کے اخیر میں وقف فرماتے تھے ، جب صحابہ اس کو سیکھ لیتے تو پھر وصل کر کے پڑھ دیتے ، اب بعض حضرات یہ سمجھتے کہ موقوف علیہ آیت کا آخر نہیں ہے ، اسلئے ایسے حضرات اس آیت اور بعد والی آیت کو ایک ایک شمار کر لیتے ، اس طرح یہ اختلاف پیدا ہوا ، اس اختلاف میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس سے قرآن میں کمی زیادتی لازم نہیں آتی .

کلمات و حروف : بعض حضرات نے کلمات قرآن کی تعداد ستہتر ہزار نو سو چونتیس (۷۷۹۳۴) بتائی ہے ، بعض نے اسکے سوا بھی ، یہ اختلاف بھی مضر نہیں اسلئے کہ کلمہ کی حقیقت بھی ہوتی ہے اور مجاز بھی ، تلفظ اور رسم کے لحاظ سے بھی اختلاف ہوتا ہے ، ہر شمار کرنے والے نے کسی جائز صورت کو اختیار کر لیا .

حروف کی تعداد حضرت عمرؓ سے ایک روایت میں دس لاکھ ستائیس ہزار مروی ہے ، روایت متکلم فیہ ہے ، اتنے حروف موجودہ قرآن میں نہیں ہیں ، اسلئے بصورتِ صحت اس کو منسوخ غیر منسوخ دونوں کے مجموعہ پر محمول کریں گے .

اعجام قرآن : مصاحف عثمانیہ میں نقطے نہیں تھے ، اس میں اختلاف ہے کہ اسلام سے

---

[۱] مدنی اول کسی کی طرف منسوب نہیں ، اہل کوفہ نے اہل مدینہ سے مرسلا نقل کیا ہے ، مدنی اخیر ابو جعفر یزید بن قعقاع کی طرف منسوب ہے . مناہل

پہلے نقطوں کا رواج تھا یا نہیں، بعض کہتے ہیں کہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا موجد ابو الاسود دئلی ہے۔

بہر حال مصاحف عثمانیہ میں نقطے نہ ہونے کا فائدہ یہ تھا کہ تمام ممکن وجوہ کا پڑھنا ممکن تھا، عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں جب دائرۂ اسلام بہت وسیع ہوا اور عجمیوں کو بغیر نقطے کے قرآن کا پڑھنا مشکل ہوا تو اس نے حجاج کو حکم دیا کہ اس کا انتظام کرے، چنانچہ حجاج بن یوسف ثقفی نے دو جلیل القدر بزرگوں نصر بن عاصم لیثی اور یحی بن یعمر عدوانی کو اس کام پر مامور کیا ان دونوں نے نقطے لگائے، بعض نے کہا کہ سب سے اول ابو الاسود دئلی نے نقطے لگائے، اور ابن سیرین کے پاس منقوط مصحف تھا، ہوسکتا ہے ان دونوں نے بھی اپنے طور پر یہ کام کیا ہو لیکن مذکورہ بالا دونوں بزرگوں نے جو ابو الاسود کے شاگرد بھی تھے ایسے عام طریقہ پر یہ کام انجام دیا کہ اسی کو شہرت حاصل ہوئی۔

شکل قرآن: قرآن پر اعراب لگانے کا کام بھی عبد الملک ہی کے زمانہ میں ہوا اس سے قبل ابو الاسود نے بھی نقطوں کے ذریعہ اعراب ظاہر کرنے کا کام کیا تھا جب کہ کسی قاری کو:

انّ اللهَ بَرِیءٌ منَ المُشرکین و رسولُه کو رسولِه کے جر کے ساتھ پڑھتے سنا، لیکن موجودہ صورت حرکت وسکون کو ظاہر کرنے کی عبد الملک کے زمانہ میں ظاہر ہوئی۔

قرآن کا تجزیہ: سہولت کے لئے قرآن کو تیس (۳۰) جزؤں میں تقسیم کیا گیا، کسی نے ہر جزء کی دو حزب بنائے، کسی نے ہر حزب کے چار جز بنائے، کسی نے دس آیتوں کے ختم پر دس کا نشان بنایا، کسی نے پانچ آیتوں کے ختم پر ۵ کا نشان بنایا، یہ سب سہولت کیلئے تھا اس میں علماء نے طویل کلام کیا ہے، کسی نے مکروہ کہا، کسی نے جائز بلا کراہت۔ واللہ اعلم

(یہ سب مضامین مناہل العرفان سے ماخوذ ہیں)

تجزیہ اور تخمیس وتعشیر، اسی طرح رکوع وغیرہ کا نشان مصاحف میں کب سے آیا کس طرح اس کا رواج ہوا اس کا پتہ نہیں چلتا، ابن مسعود سے یہ مروی ہے کہ انھوں نے اعشار

کا نشان ڈالنا مکروہ سمجھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بعض لوگوں نے ایسا کیا تھا. واللہ اعلم (دیکھئے معارف القرآن کا مقدمہ وعلوم القرآن ۱۹۷ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

دانی کی کتاب النقط میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے مصاحف میں نقطے کس نے لگائے، تو ہم کو روایت پہونچی ہے کہ ابو الاسود دئلی نے سب سے پہلے اعراب لگائے ..... اور کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے یہ کام نصر بن عاصم لیثی نے کیا اور انھوں نے ہی پانچ اور دس آیات کے نشانات بھی لگائے. (کتاب النقط مع المقنع ۱۲۵)

احزاب یا منزلیں: صحابہ اور تابعین کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتہ ایک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کے لئے انھوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے حزب یا منزل کہا جاتا تھا، حضرت اوس بن حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ سے پوچھا آپ نے قرآن کے کتنے حزب بنائے ہوئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایک حزب تین سورتوں کا، دوسرا پانچ سورتوں کا، تیسرا سات سورتوں کا، چوتھا نو سورتوں کا، پانچواں گیارہ سورتوں کا، چھٹاں تیرہ سورتوں کا اور آخری حزب ق سے آخر تک کا.

(البرھان فی علوم القرآن ۱/ ۲۵۰، علوم القرآن مفتی محمد تقی عثمانی ۱۹۶)

رموز اوقاف: علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندیؒ نے چند رموز اوقاف وضع فرمائے ہیں جیسے ط، ج، ز، ص، م، لا، ان کا مفہوم تجوید کی کتابوں میں بتادیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی کچھ رموز مصاحف میں لکھے ہیں جن کا موجد معلوم نہیں. (ایضا ۲۰۰)

مصنف انوار التنزیل و اسرار التاویل

علامہ عبداللہ ناصر الدین **بیضاوی** رحمہ اللہ

متوفی ۶۸۵ھ

آپ کا نام عبد اللہ، لقب ناصر الدین، کنیت ابو الخیر اور ابو سعید ہے، والد کا نام عمر بن محمد بن علی ہے۔

آپ شافعی المسلک تھے، فارس میں بیضا نامی ایک بستی میں پیدا ہوئے اور اسی کی طرف منسوب ہوکر بیضاوی کہلائے، مشہور صوفی حسین بن منصور حلاج بھی اسی بستی کے تھے۔

بڑے عالم فاضل تھے، شیراز کے قاضی تھے، تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبری میں لکھا ہے: کہ قضاء شیراز سے برطرف ہوکر بیضاوی جب تبریز پہونچے تو اتفاق سے ایک فاضل کی مجلس درس میں حاضر ہوئے، سب کے پیچھے اس طرح بیٹھ گئے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، مدرس نے ایک اشکال ذکر کیا اور ایسا خیال کیا کہ حاضرین میں سے کوئی اس کا جواب نہیں دے سکتا، چنانچہ حاضرین سے اس کا حل اور جواب طلب کیا، اگر یہ نہ ہو سکے تو فقط اس کا حل اور یہ بھی نہ ہو سکے تو صرف اس کی تقریر، چنانچہ بیضاوی نے اس کا جواب شروع کیا، مدرس نے کہا میں نہیں سن سکتا یہاں تک کہ میں جان لوں کہ آپ سمجھ گئے، بیضاوی نے کہا بلفظہ اس کو لوٹا دوں یا بالمعنی؟ وہ مدرس تو مبہوت ہوگیا، کہا کہ بلفظہ لوٹا دو چنانچہ بیضاوی نے لوٹا دیا، پھر اس کا حل بھی بتادیا اور بتایا کہ آپ کی ترتیب میں خلل ہے، پھر اس کا جواب دیا، اور فورا اسی جیسا اشکال اس مدرس پر قائم کیا اور اس کا جواب طلب کیا، اس مدرس کو جواب نہیں آیا۔

وزیر اس مجلس میں موجود تھا، قاضی صاحب کو وہاں سے اٹھا کر اپنی طرف بلایا اور پوچھا

آپ کون ہیں؟ بیضاوی نے کہا میں بیضاوی ہوں، اور شیراز کے قضا کیلئے آیا ہوں، وزیر نے اکرام کیا اور اسی دن خلعت سے نوازکر واپس کیا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ ایک مدت تک طلب قضا میں رہے اور شیخ محمد بن محمد کحتانی سے سفارش کرائی، شیخ جب عادت کے مطابق امیر کے پاس آئے تو فرمایا کہ ایک عالم فاضل آدمی ہیں امیر کے ساتھ جہنم میں جگہ چاہتے ہیں ایک مصلّی کی جگہ یعنی مجلس قضاء، اس کلام سے بیضاوی متاثر ہوئے، اور دنیوی منصب چھوڑ کر شیخ کے دامن سے متعلق ہوگئے، اور شیخ کے اشارہ سے بیضاوی لکھی اور مرنے کے بعد شیخ کے پاس ہی دفن ہوئے۔

بیضاوی کا ماخذ: نحو اور بلاغت کی باتیں زمخشری کی کشاف سے ماخوذ ہیں، اور حکمت وکلام کی باتیں رازی کی تفسیر کبیر سے، اور اشتقاق کی باتیں نیز غامض حقیقتیں اور لطیف اشارات امام راغب اصفہانی کی تفسیر سے، ان سب کے ساتھ اپنی فکری پرواز سے بھی معقول اور منقول بیان کئے ہیں۔ (کشف الظنون ۱/ ۱۸۷)

علامہ بیضاوی کی دیگر تصنیفات: غایہ یعنی مختصر الوسیط (فقہ شافعی میں)، منہاج الوصول الی علم الاصول، شرح منہاج، مرصاد الافہام الی مبادی الاحکام لابن الحاجب، شرح منتخب (اصول فقہ میں)، طوالع الانوار (علم کلام میں)، مصباح الارواح (اصول دین میں)، شرح مصابیح السنہ للبغوی (حدیث میں)، شرح کافیہ لابن الحاجب (نحو میں)، شرح مطالع (منطق میں)، منتہی المُنی بشرح اسماء الحسنی، لب الالباب فی علم الاعراب، نظام التواریخ، شرح تنبیہ، تہذیب الاخلاق۔ (ظفر المحصلین ۳۶)

وفات: تبریز میں ۶۸۵ھ میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

تفسیر بیضاوی کے شروح و حواشی

تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل یعنی تفسیر بیضاوی پر بہت سے لوگوں نے حواشی اور

تعلیقات لکھی ہیں، کشف الظنون میں چالیس (۴۰) سے اوپر حواشی اور تعلیقات کا تذکرہ کیا ہے، ظفر المحصلین میں ان کی تعداد ساٹھ (۶۰) سے زیادہ دیکھی جارہی ہے۔

اس کی احادیث کی تخریج عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ نے کی اس کا نام (الفتح السماوی فی تخریج احادیث البیضاوی) ہے، اور محمد بن ہمات متوفی ۱۱۷۵ھ نے بھی کی، اس کا نام (تحفۃ الرادی فی تحریج احادیث البیضاوی) ہے، اشعار کا حل مولانا فیض الحسن سہارنپوری متوفی ۱۳۰۷ھ نے مستقلاً کیا ہے، اس سے اس کتاب کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

بہت سی شرحوں میں شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القونوی متوفی ۹۵۱ھ کی شرح مشہور، مقبول، متداول ہے، اور سب سے اچھا اور آسان اور نفع بخش حاشیہ سمجھا جاتا ہے۔

اردو میں مولانا فخر الحسن صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند کی تقریر (التقریر الحاوی فی حل تفسیر البیضاوی) مشہور و معروف ہے۔

تفسیر بیضاوی پر تبصرہ: امام بیضاوی فنون عربیت میں پوری مہارت رکھتے تھے، نیک، عبادت گزار زاہد بھی تھے، اسلئے اپنی تفسیر میں خوب نکتہ آفرینیاں کی ہیں، علم کلام اور تصوف کے مسائل بھی اخذ کئے ہیں، گمراہ فرقوں کا رد بھی کیا ہے، قرآن پاک کے ارشادات و کنایات کو بھی اچھی طرح واضح کیا ہے۔

تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال ذکر کرتے ہیں، عموماً پہلے قول کے بعد قیل سے دوسرے اور تیسرے یا مزید جو اقوال ذکر کئے ہیں وہ ضعیف ہیں۔

معقولات میں بھی بیضاوی کو اونچا مقام حاصل تھا اسلئے تعبیرات میں معقولی رنگ نظر آتا ہے، قراءات متواترہ اور شاذہ کو بھی بیان کیا ہے۔

البتہ احادیث کے سلسلہ میں عام تفسیر کی کتابوں کی طرح بیضاوی بھی معتبر نہیں، ضعیف اور موضوع روایات بھی ذکر کی ہیں، خصوصا سورتوں کے آخر میں سورتوں کے فضائل میں موضوع روایات درج ہیں، ان سے ہوشیار رہنا چاہئے، اس کمزوری کے استثناء کے بعد مجموعی

طور پر یہ کتاب بہت مفید ہے، قرآن پاک میں تدبر و تفکر کی راہ بتاتی ہے، اس کے پڑھنے کے بعد دیگر طویل تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مصنف اور ان کی کتاب کو آسان کرنے والے تمام حضرات کو جزاء خیر نصیب فرمائے، اور اس کتاب کے ذریعہ ہم کو فہم قرآن کی دولت نصیب فرمائے، اور قرآن پاک کو مشعل راہ بنانے کی کی توفیق بھی۔ آمین

اولوا الالباب لم یأتوا بکشف قناع ما تبلی
ولکن کان للقاضی ید بیضاء لا تبلی
(ظفر المحصلین ۳۹)

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین
والحمد للہ رب العالمین

علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ تعالیٰ

(صاحب جلالین نصف ثانی)

ولادت ۷۹۱ھ ------- وفات ۸۶۴ھ عمر ۷۴ سال

نام و نسب: نام محمد، جلال الدین لقب، والد صاحب کا نام احمد تھا

نسب یوں ہے: جلال الدین محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم الجلالی ..... الانصاری المحلی، المحلۃ الکبری کی طرف منسوب ہیں جو مصر کا ایک شہر ہے۔

ولادت اور تحصیل علم: ماہ شوال ۷۹۱ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو ونما ہوئی، قرآن پاک حفظ کیا اور ابتدائی چند کتابوں کے پڑھنے کے بعد فقہ علامہ بیجوری، جلال بُلقینی، ولی عراقی، شمس برماوی سے، اصول عز بن جماعہ سے، نحو شہاب عجیمی، شمس شطنوفی سے، فرائض و حساب ناصر الدین بن انس مصری حنفی سے، منطق و جدل، معانی و بیان، عروض و اصول فقہ بدر محمود اقصرائی سے، اصول دین اور تفسیر علامہ شمس بساطی وغیرہ سے حاصل کیا.... حدث ولی عراقی سے اور بقول بعض علامہ بلقینی اور ابن الملقن سے بھی روایت رکھتے ہیں۔

حالات: شروع میں آپ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے، کچھ عرصہ بعد ایک شخص کو اپنی جگہ رکھ کر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے، اور خلق کثیر کو فائدہ پہونچایا، ۸۴۴ھ سے کچھ عرصہ تک برقوقیہ میں شہاب کورانی کی جگہ درسی خدمات انجام دیں، عہدۂ قضاء پیش کیا گیا تو انکار کردیا، متعدد بار زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

تصانیف: جمع الجوامع، ورقات، منہاج فرعی، بردہ وغیرہ کی بہترین شرحیں لکھیں، مناسک حج پر کام کیا، تفسیر قرآن نصف آخر تحریر فرمائی، پھر سورۂ فاتحہ سے نصف اول پر کام

شروع کیا، ابھی سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ وقت موعود آ گیا، شرح اعراب اور شرح شمسیہ بھی مکمل نہ ہو سکی۔

وفات: مرض اسہال میں ۱۵ رمضان ۸۶۴ھ کو بروز پیر بوقت صبح وفات پائی، باب نصر میں عظیم مجمع نے نماز جنازہ پڑھی اور اپنے آباء کے قریب اس قبرستان میں مدفون ہوئے جو جوشن کے سامنے بنایا تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (ماخوذ از ظفر المحصلین ۴۲)

جلالین کے مآخذ: شیخ موفق الدین احمد بن یوسف بن حسن بن رافع کواشی نے دو تفسیریں لکھیں ہیں، ایک کبیر جسکو تبصرہ کہتے ہیں، دوسری صغیر جسکو تلخیص کہتے ہیں، اس میں موصوف نے وجوہِ اعراب اور انواع وقوف کو جمع کیا ہے، شیخ جلال الدین محلیؒ نے اسی تفسیر صغیر پر اعتماد کیا ہے، اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے، مگر اس کے ساتھ تفسیر وجیز، تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابن کثیر بھی پیش نظر رہی ہے۔ (ظفر المحصلین ۴۳)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ

(صاحب جلالین نصف اول)

ولادت ۱/رجب ۸۴۹ھ ----- وفات ۹۱۱ھ عمر شریف ۶۴ سال

نام عبد الرحمٰن، لقب جلال الدین، کنیت ابو الفضل، سیوط کی طرف منسوب ہیں جس کو اسیوط بھی کہتے ہیں، یہ مصر میں دریائے نیل کے کنارے ذرا دور ایک شہر ہے۔

یکم رجب ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے، اپنے عہد کے باکمال ائمہ میں سے تھے، قدرت کی طرف سے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے مالا مال کئے گئے تھے۔

پانچ سال کی عمر میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا، والد صاحب کی وصیت کے مطابق چند بزرگوں کی سرپرستی میں تربیت پائی، ان میں شیخ کمال الدین ابن الھمام حنفی بھی تھے، انھوں نے آپ کی طرف پوری توجہ فرمائی، آٹھ سال سے کم عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہو کر عمدہ، منھاج، اصول، الفیہ ابن مالک وغیرہ حفظ کیں۔

شیخ شمس سیرامی اور شیخ شمس مرزبانی حنفی سے بہت سی درسی اور غیر درسی کتب پڑھیں، شیخ شہاب الدین شارمساحی سے فرائض، شیخ علم الدین، علامہ بُلقینی، علامہ مناوی، اور محقق دیار مصریہ سیف الدین محمد حنفی سے علوم و فنون کا استفادہ کیا، علامہ محی الدین کافیجی کی خدمت میں چودہ (۱۴) سال رہے، آپ نے اپنے اساتذہ کی تعداد (۱۵۱) گنائی ہے۔

تدریس: ۸۶۶ھ میں ۱۷ سال کی عمر میں آپ کو تدریس کی اجازت مل گئی تھی، ۸۷۱ھ میں افتاء کا کام شروع کیا اور ۸۷۲ھ سے املاء حدیث میں مشغول ہوئے۔

امام سیوطیؒ کو سات علوم میں تبحر کا دعویٰ تھا، وہ یہ ہیں: تفسیر، حدیث، فقہ، معانی،

بیان ، بدیع ، حج کے موقعہ پر آپ نے زمزم پی کر یہ دعا کی کہ فقہ میں شیخ سراج الدین بلقینی اور حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے درجہ کو پہونچ جاؤں ، چنانچہ آپکو دو لاکھ حدیثیں یاد تھیں ، اس سے زیادہ حدیثیں ملی نہیں ورنہ ان کو بھی یاد کرلیتے .

عزلت : چالیس (۴۰) سال کی عمر میں آپ نے درس و تدریس ، افتاء و قضاء اور تمام دنیوی تعلقات ختم کرکے گوشہ نشینی اختیار کرلی ، عبادت و ریاضت اور رشد و ہدایت میں لگ گئے .

استغناء : دنیاوی مال و دولت کی طرف سے آپ کی طبیعت میں اس قدر استغناء تھا کہ امراء و اغنیاء آپکی زیارت کو آتے اور تحفے پیش کرتے ، مگر آپ کسی کا ہدیہ قبول نہ فرماتے ، سلطان غوری نے ایک غلام اور ایک ہزار اشرفیاں بھیجیں ، آپ نے اشرفیاں واپس کردیں اور غلام کو آزاد کرکے حجرۂ نبویہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کا خادم بنادیا ، سلطان نے کئی دفعہ بلایا لیکن نہیں گئے .

کرامات : آپ صاحبِ کرامت بزرگ تھے ، ایک روز قیلولہ کے وقت خادم خاص محمد بن علی سے فرمایا کہ اگر مرنے سے قبل راز کو فاش نہ کرو تو آج عصر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھوادوں ، عرض کیا ضرور ! فرمایا آنکھیں بند کرلو اور ہاتھ پکڑکر تقریبا ۲۷ قدم چل کر فرمایا آنکھیں کھولو ، دیکھا تو باب مَعلاۃ پر تھے ، حرم پہونچ کر طواف کیا ؟ زمزم پیا ، فرمایا کہ تعجب مت کرو ہمارے لئے طی ارض ہوا ہے ، تعجب اس بات پر ہے کہ بہت سے مجاورینِ حرم ہم سے متعارف ہیں لیکن ہم کو پہچان نہ سکے ، پھر فرمایا چاہو تو ساتھ چلو ورنہ حاجیوں کے ساتھ آجانا ، عرض کیا ساتھ ہی چلوں گا ، باب معلاۃ تک گئے اور فرمایا آنکھیں بند کرو ، سات قدم دوڑایا آنکھیں کھولیں تو ہم مصر میں تھے .

زیارتِ رسول اللہ ﷺ : ستر (۷۰) مرتبہ سے زیادہ رسول پاک ﷺ کی زیارت ہوئی ، حضرت ﷺ نے خواب میں آپ کو اور دوسرے لوگوں کے خواب میں بھی یا شیخ السنۃ اور یا شیخ الحدیث سے خطاب فرمایا .

تصانیف: آپ کی تصانیف پانچ سو (۵۰۰) سے زائد ہیں، کوئی فن نہیں چھوڑا جس میں آپکی تصنیف نہ ہو بلکہ بعض فنون میں متعدد تصانیف چھوڑیں، ہر تصنیف میں وسعتِ معلومات اور مجتہدانہ بصیرت کی شان نمایاں ہے، علومِ قرآن میں آپ کی تصنیف (الاتقان فی علوم القرآن) بے نظیر اور لا جواب ہے۔

وفات: ۱۹/ جمادی الاولی شب جمعہ ۹۱۱ھ میں آپ ہمیشہ کیلئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔
انا للہ و انا الیہ راجعون (ماخوذ از ظفر المحصلین ۴۴)

جلالین شریف: فن تفسیر کی ایک مختصر سی کتاب ہے جس کے الفاظ قریب قریب قرآنی الفاظ کے ہم عدد ہیں بلکہ در اصل یہ قرآن کے عربی ترجمہ کی ایک شکل ہے کہ مشکل الفاظ اور مشکل ترکیبوں کا حل اور آیات کے ساتھ مختصر سے جملے ایضاح مطلب کیلئے زیادہ کردیئے جاتے ہیں، کہیں کہیں کوئی قصہ طلب بات ہوتی ہے تو اس کو بھی اجمالا ذکر کردیا جاتا ہے، جلالین اور اس جیسی دیگر کتابوں کو نصاب میں داخل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ میں ایسی استعداد اور ملکۂ راسخہ پیدا ہوجائے کہ تعلیمی زندگی سے الگ ہونے کے بعد اپنے متعلقہ فنون کے حقائق و مسائل تک استاد کی اعانت کے بغیر رسائی ہونے لگے، اس مقصد کے لئے جلالین شریف بہت کامیاب تفسیر ہے۔ (ظفر المحصلین ۴۲۔۴۳)

جلالین شریف کے شروح وحواشی

۱۔ قبس النیرین: شیخ شمس الدین محمد بن علقمی کا حاشیہ، یہ ۹۵۲ھ کی تالیف ہے۔

۲۔ جمالین: ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ کا، بہت مفید حاشیہ ہے۔ ۱۰۰۴ھ میں فارغ ہوئے۔

۳۔ مجمع البحرین ومطلع البدرین: جلال الدین محمد بن محمد کرخی کا کئی جلدوں میں ہے۔

۴۔ الفتوحات الالھیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیہ: شیخ سلیمان الجمل کا، آپ ازھر کے علماء میں سے ہیں، ۱۲۰۴ھ میں انتقال ہوا، چار جلدوں میں بہترین حاشہ ہے۔

۵۔ کمالین: شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن عبد الصمد فخر الدین حنفی کا، آپ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے ہیں، ۱۲۲۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۶۔ تعلیق بر جلالین: مولوی وصی علی بن حکیم محمد یوسف ملیح آبادی۔

(ظفر المحصلین ۴۳)

فضل الرحمن اعظمی

۲/ جمادی الاخری ۱۴۱۹ھ

۲۴/ ستمبر ۱۹۹۸ء